انا جعلناه قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون

فضائل زبان عربی

نوشتہ

مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

حافظ عبداللطیف پنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپی

مصنف نے علیگڑھ سے شائع کیا

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U1795

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

عربی زبان کے فضائل

تمہید

سنہ ۱۹۰۷ء میں جب ڈاکٹر ہارو وز صاحب مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں تشریف لائے تو عربی کا شوق پیدا کرنے کے لیے بجنۃ الادب دوبارہ زندہ کی گئی اور میں اسکا سکرٹری قرار پایا۔ اراکین انجمن نے مجھ سے فرمایش کی کہ پہلا مضمون بجنہ میں میں ہی پڑھوں اور وہ زبان عربی کے فضائل پر ہو۔ چنانچہ میں نے ایک مضمون عنوان بالا پر عربی زبان میں پڑھا۔ اراکین کے خیال میں وہ ایسا مفید معلوم ہوا کہ انھوں نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اسکا ترجمہ اُردو زبان میں شائع کردیا جائے تاکہ جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ بھی اس سے متمتع ہوں۔ اسی بنا پر میں نے اسکا ترجمہ اُردو میں کرکے علی گڑھ منتھلی میں اُسی زمانہ میں شائع کرادیا۔

اس مضمون میں عربی زبان کے فضائل پر بلحاظ اصول لسانیہ کے علمی بحث کی گئی تھی۔ اس موقع پر میں اُن بحثوں کو دُہرانا نہیں چاہتا۔ بلکہ اسوقت عربی زبان کی اُن خصوصیات اور خوبیوں کو جو اُسکو تمام دنیا کی دوسری زبانوں پر حاصل ہیں لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ مسلمانوں کو اپنی عظیم الشان مذہبی زبان کی وقعت اور عظمت معلوم ہوجائے اور اُن کے اندر اُس کی تحصیل کی رغبت پیدا ہو۔

عربی کی قدامت

دُنیا میں اسوقت جتنی زبانیں بولی جاتی ہیں اہل فن نے بحیثیت مجموعی اُن کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ سامی[1]۔ تورانی۔ ایرین[1]۔ ان میں سے ہر ایک زبان اپنی خصوصیات خاصہ کے لحاظ سے ممتاز ہے[1]۔ دُنیا کی تمام زبانوں میں سے جس زبان کو چاہو لیلو وہ انہی تینوں زبانوں میں سے کسی ایک کی شاخ قرار پائیگی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں زبانوں میں سے کس زبان کو شرف تقدم حاصل ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ انسان جب سے دنیا میں پیدا ہوا ہے کسی وقت میں بھی وہ بے زبان اور گونگا نہ تھا۔ بلکہ اُس کی آفرنیش کے ساتھ ہی گویائی بھی اُسکے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اسلیے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا کی پہلی زبان وہی ہے جو سب سے پہلے آدمی نے بولی۔

اب اگر ہم قیاسات۔ تخیلات اور علم الاصنام کے خرافات سے قطع نظر کر کے بنی نوع انسان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو کتب تواریخ اور آسمانی صحائف ہم کو اس بات پر متفق ملتے ہیں کہ اسوقت دنیا میں جتنے آدمی ہیں وہ سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی جو آدم ثانی بھی کہے جاتے ہیں اولاد میں سے ہیں۔ اور حضرت نوحؑ کے جانشین اُن کے "پلوٹھے" بیٹے حضرت سام تھے جنکی نسل سے ملک عرب اور شام کے باشندے ہیں[2]۔ باقی اور دو بیٹوں یافث اور حام کی اولاد دنیا کے تمام حصص میں ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تفریق قبائل ملکی اور مقامی خواص کی وجہ سے دنیا

---

[1] ہر ایک کی خصوصیات ہم نے اپنے محولہ بالا مضمون میں تفصیل کے ساتھ لکھدی ہیں۔

[2] بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ سامی قومیں وسط ایشیا سے آکر عرب میں آباد ہوئیں۔ یہی قسم کے قیاسات اور تخیلات سے ہیں نے قطع نظر کرنے کو لکھا ہے۔ کیونکہ یہ خیالی جدت اقوام قدیمہ کے حالات نہ جاننے کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ تمام محققین متفق ہیں کہ ابتدائی گہوارہ بنی نوع انسان کا ارض مقدس ہے۔ اور وہ وراثتاً سامی قوموں کے پاس چلا آتا ہے

کی تمام دوسری زبانیں پیدا ہوئیں۔ اور سامی قومیں جس طرح ارض مقدس (شام و عرب) پر جو حضرت نوح کا مسکن تھا قابض اور جانشین رہیں اسی طرح اپنے باپ کی زبان بھی اُن کے ورثہ میں آئی۔

اس لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں سے مقدم سامی زبانیں ہیں[1]

اب رہا یہ امر کہ سامی زبانوں میں سے کون زبان مقدم ہے۔ اس بحث کو مذہبی عصبیت نے بہت طویل کر دیا ہے۔ ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ لغات سامیہ یعنی عربی عبرانی۔ سریانی۔ ارامی۔ کلدانی اور نبطی وغیرہ ایک ہی ماں کی بیٹیاں ہیں جس طرح عربی زبان میں قبائل تمیم۔ ربیعہ۔ مضر۔ قیس۔ ہذیل اور قضاعہ وغیرہ کی زبانوں میں باعتبار تلفظ اور لب و لہجہ کے اختلافات تھے۔ اسی طرح ان سامی زبانوں میں بلحاظ قبائل و اختلاف حالات و مقامی خصوصیات کے تغیرات واقع ہو گئے تھے۔ مثلاً ارم کی اولاد جو سامی زبان بولتی تھی اُسکا نام ارامی رکھ لیا گیا۔ اور بنی عابر کی زبان عبرانی کہلائی۔ یا جو لوگ سوریا (شام) میں رہتے تھے اُن کی زبان نے سریانی اور عرب کے باشندوں کی زبان نے عربی کا لقب پایا۔

اسی کے ساتھ یہ امر بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عربی زبان جو عرب میں بولی جاتی تھی اُس نے اصل سامی زبان کو زیادہ محفوظ حالت میں رکھا یا یوں کہیے کہ وہ بہ نسبت اپنی دوسری بہنوں کے اپنی ماں سے مشابہ تر تھی۔ اسلیے کہ سریانی اور عبرانی وغیرہ قبائل کے تعلقات بوجہ متمدن اور صاحب سلطنت ہونے کے زیادہ وسیع تھے۔ اسوجہ سے اُن کی زبانوں میں غیر اقوام کے اختلاط نے زیادہ اثر ڈالا۔ بخلاف اسکے اہل عرب نہ کسی پر حکمراں تھے نہ کوئی قوم اُن پر فرماں روا تھی اسلیے اُن کی زبان بھی نسبتاً محفوظ

---

[1] بعض مورخوں نے بلا تحقیق لکھدیا ہے کہ سنسکرت تمام دنیا کی زبانوں سے مقدم ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ سنسکرت بولنے والی قوم ایرین قوم کی ایک شاخ ہے۔ پس اسکی زبان بھی ایرین زبان کی شاخ ہوگی

تھی۔ اور خارجی اثرات جن سے زبانوں میں تغیر ہو جاتا ہے اُن پر کم پڑے تھے۔ پس عربی ہی ان تمام زبانوں میں اصل سامی زبان کہلائی جانے کا زیادہ حق رکھتی ہے۔ چنانچہ آخر میں ناموس طبیعی کے مطابق جب ارتقائے تقلید کی طرف رجعت کی تو تمام سامی زبانوں کو مٹا کر عربی زبان نے اُن کی جگہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اُن سب کی زندہ قائم مقام صرف یہی زبان رہ گئی[1] تو اب مقدمات ترتیب دیکر ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں شرف تقدم عربی زبان کو حاصل ہے۔

تاریخی عظمت

جدید اکتشافات نے اس امر کو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ انسانی تمدن کا آغاز بابل سے ہوا ہے۔ اور وہاں کے آثار قدیمہ سے جو زیر زمیں سے برآمد ہوئے ہیں یہ بات بھی یقینی طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ بابل کا تمدن عربی تمدن تھا۔ اور خاندان حمورابی جو بابل کے تمدن کا بانی ہے خالص عربی خاندان تھا۔ حمورابی کی شریعت دنیا کی تمام موجودہ شرائع سے قدیم ترین ہے۔ بلکہ ایک مستشرق نے جو بابل کے آثار قدیمہ کا ماہر مانا جاتا ہے یہ صاف صاف کہا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے بہت سے احکام حمورابی کی شریعت سے ماخوذ ہیں۔ کیونکہ اُنھوں نے مدین میں حضرت شعیبؑ سے جو ایک عربی کاہن تھے بہت سی باتیں اس شریعت کی سیکھی تھیں[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] زندہ زبان سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ عام طور پر بولی جاتی اور استعمال میں آتی ہو۔ ورنہ سامی زبانوں میں سے سریانی۔ عبرانی۔ کلدانی اور سامری زبانیں بھی سمجھنے والے اسوقت موجود ہیں۔ اگرچہ روزمرّہ کے کاروبار میں وہ مستعمل نہیں۔

[2] اگرچہ ہم اس بات کے قائل نہیں۔ کیونکہ ہم حضرت شعیبؑ کو بھی نبی مانتے ہیں۔ اور چونکہ تمام انبیاء کی بعثت من جانب اللہ ہو اور قریب قریب یکساں ہوتی ہے اس لیے ناواقفوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے ماخوذ ہے۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں ہوتی بلکہ اُن کا سرچشمہ ایک ہے۔

تمدن کی ابتدائی پرورش عربی ہی کے آغوش میں ہوئی۔

نیز مکتشفین حال کی جدید تحقیقات اگر صحیح مان لی جائے کہ موجودہ "سفر ایوب" اصل میں عربی زبان میں منظوم کی گئی تھی اور بعد میں وہ عبرانی میں ترجمہ کر کے کتب مقدسہ میں داخل کرلی گئی اور اصل عربی کتاب ضائع ہوگئی جس طرح کلیلہ و دمنہ فارسی کہ اصل کتاب ناپید ہی اور اُسکے ترجمے دنیا کی اکثر زبانوں میں موجود ہیں تو یہ ماننا پڑیگا کہ عربی زبان میں منظوم کتاب یونانی الیڈ اور ہندوستانی مہابھارت سے کئی صدی پیشتر سے موجود تھی[۱]

اس کے علاوہ حمورابیوں نے مقام "زیبارا" میں تعلیم اطفال کے لیے مدرسہ قائم کیا تھا جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ اور جنکے کتبوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مقام پر بچّوں کو حروف تہجی اور حساب وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور یہ دُنیا کا سب سے قدیم ترین مدرسہ ثابت ہوا ہی۔

علاوہ بریں تاریخی زمانہ سے پیشتر سے عربی زبان میں تمدن و تعلیم کے متعلق ہزاروں الفاظ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کتاب کے لیے سفر۔ زبور۔ رقیم۔ ضبار۔ قمطر۔ سجل۔ وصیر وغیرہ اسی طرح قلم اور ورق کے لیے بیسیوں اسماء اور مجمع اور محفل کے لیے بہت سے الفاظ ہیں انسانی صفات عالیہ اور اخلاق فاضلہ کے سیکڑوں نام اور تجارت۔ صناعت۔ عمارت۔ جنگ اور تدبیر سلطنت کے لیے ہزاروں اصطلاحیں ملتی ہیں۔ اور ان سب سے استدلال کیا جاسکتا ہی کہ عرب اولی تمدن کے ہر شعبہ سے واقف تھے۔ کیونکہ یہ امر بدیہی ہی کہ جبتک کوئی خیال یا کوئی شے کسی قوم میں موجود نہ ہو اسوقت تک اسکے لیے وہ الفاظ نہیں وضع کرتی اور نہ کرسکتی۔

تعبیر معانی

اہل عرب نے اپنے سوا تمام دنیا کا نام عجم رکھا۔ جس کے معنی ہیں بے زبان۔

---

[۱] ہم اس تحقیق سے اسوجہ سے متفق نہیں ہیں کہ سفر ایوب کے مضامین میں عربی تخیل کی جھلک نہیں ہے۔ اور یہ تحقیق تخمین کی حد سے

یا وہ جو اپنے مافی الضمیر کو ادا نہ کر سکے - اور حقیقت حال یہی ہے

عربی زبان میں جس خوبی اور لطافت کے ساتھ نہایت مختصر الفاظ میں اپنا مافی الضمیر ادا کیا جا سکتا ہے - دنیا کی تمام دیگر زبانیں اس سے قاصر ہیں - عربی زبان میں الفاظ کی کثرت ہے - مختلف معانی ادا کرنے کے لیے جُدا جُدا اسلوب ہیں - اسلیے صحیح معانی بلا کم و کاست واقعہ کے مطابق اس کے ذریعہ سے ادا ہو سکتے ہیں - بخلاف دیگر زبانوں کے کہ اُن میں الفاظ گونا گوں اسقدر نہیں ہیں جسقدر عربی میں ہیں - اور اکثر مجبور ہو کر استعارہ اور تشبیہ کے ذریعہ سے اپنا مطلب ادا کرنا پڑتا ہے - اور اگرچہ اس طرح پر اس میں ایک ادبی تفنّن تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن بیان کی صداقت اور واقعہ کی اصلیت دونوں فنا ہو جاتی ہیں - اسلیے کہ استعارہ اور تشبیہ سے واقعہ کی صورت گری نہیں ہوتی بلکہ رنگ آمیزی ہوتی ہے -

عربی زبان کے الفاظ میں واقعہ کی جزی سے جزی خصوصیات کا مفہوم موجود ہوتا ہے اسلیے انکے ذریعہ سے خیالات کا صحیح وزن تُل کر نکلتا ہے -

عربی زبان کے الفاظ اور اُنکے معانی - اور الفاظ کے حروف اور معانی کی کیفیات خاصہ میں ایک ایسی قدرتی اور فطرتی مناسبت ہے کہ صرف چند الفاظ سے واقعہ کا منظر اس طرح پیش نظر ہو جاتا ہے کہ دوسری زبان میں جب بہت کچھ کہا جائے تو شاید خیال میں وہ صورت آسکے -

مثلاً اگر معنی میں رنج ہے تو الفاظ کے حروف میں حزن کی کیفیت موجود ہوگی - اور صرف حزن ہی نہیں بلکہ کس نوعیت کا حزن ہے اسکا نقشہ بھی حروف کھینچ دینگے - علیٰ ہذا اگر معنی میں لطافت ہے تو اُسکے لفظ کے حروف کی نزاکت اُسکی بھی صورت گری کریگی -

خیر - یہ ایک نہایت لطیف اور نازک بحث ہے - اسکا یہ موقع نہیں ہے اس لیے نظر انداز کرتا ہوں - جسکو تفصیل دیکھنی منظور ہو وہ اس عنوان پر عربی میں جو کتابیں

لکھی گئی ہیں اُن کو دیکھے خاصکر مصطفےٰ رافعی کی کتاب تاریخ آداب العرب۔ یہاں صرف یہ تبلانا مجکو مقصود ہی کہ زبان کا کام یہ ہی کہ وہ معانی۔ خیالات اور واقعات کو بجنسہ مطابق واقع کے سامع کے سامنے پیش کردے۔ اور اس امر میں عربی کو جو پایہ حاصل ہی۔ اُس کا عشر عشیر بھی کسی دوسری زبان کو حاصل نہیں۔ اسلیے بحیثیت نفس زبان ہونیکے عربی کا مرتبہ دنیا کی دیگر زبانوں سے فائق تر ہی۔

نوشیروان اور نعمان بن منذر رئیس حیرہ سے اسی عنوان پر بحث ہوئی تھی۔ آخر **اکثم بن صیفی** وغیرہ چند سرداران عرب نے جب **نوشیروان** کے سامنے برجستہ تقریر کی تو اسکو تسلیم کرنا پڑا کہ عرب کی زبان عرب سے بھی زیادہ طاقتور ہی۔[1]

وسعت

زبان کی وسعت کا بہت کچھ دارومدار الفاظ کی کثرت پر ہی۔ جن سے طرح طرح کی ترکیب اور اسلوب بیان پیدا ہوتے ہیں۔ عربی زبان کے الفاظ کی کثرت پر ائمہ لغت نے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہی جسکا خلاصہ یہ ہی کہ عربی زبان کے کل الفاظ کی تعداد ۶۶۵۹۴۰۰ ہے۔ یعنی ساڑھے چھ ملین سے زیادہ۔ اسمیں سے جسقدر الفاظ مستعمل ہیں ان کی تعداد اسّی ہزار ہی۔

اہل لغت نے عربی زبان کے الفاظ کے استقصاء سے قطعی طور پر اپنے قصور کا اعتراف کیا ہی۔ بلکہ امام شافعی رحنے تو کہا ہی کہ عربی زبان کے الفاظ کا دائرہ اسقدر وسیع ہی کہ اُسکا احاطہ بجز نبی کے اور کسی کے امکان سے باہر ہی۔

اکثر ایک چیز کے لیے بہت سے الفاظ وضع کیے گئے ہیں۔ اور ان تمام الفاظ میں کچھ نہ کچھ باہمی فرق رکھا گیا ہی جنسے مفہوم کی مختلف حالتوں کا اظہار کیا جا سکتا ہی۔ مثلاً شیر کے لیے پانچسو الفاظ ہیں اور ہر ایک میں ایک خاص حالت کا لحاظ رکھا گیا ہی۔ گویا ایک شیر کی ذات

---

[1] اس قصہ کو بخوف طوالت ہمنے نظر انداز کر دیا۔ عربی محاضرات کی اکثر کتب میں اسکا بیان ہی۔ اگر کوئی تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہی تو بلوغ الارب فی احوال العرب مطبوعہ مصر کی جلد اوّل میں ہی۔

ان الفاظ کے ذریعے مختلف پانچسو حالات میں دکھلائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح جنگ کے لیے دو ہزار۔ تلوار کیواسطے دو ہزار۔ سانپ اور اژدہے کیلئے دو سو۔ شہد کے لیے ۸۰ الفاظ ہیں

صاحب ابن عباد وزیر جو علم ادب میں یگانۂ روزگار اور بڑا ادیب تھا **اسدی** جب اُسکے دربار میں گیا تو چونکہ اُسکے کپڑے نہایت کثیف تھے اور حالت سے مفلسی برستی تھی دربان نے اندر جانیسے روکدیا۔ انتظار میں کھڑے کھڑے آخر ایک مرتبہ موقع پاکر اندر چلا گیا اور وزیر موصوف کے قریب جاکر بیٹھ گیا۔ اُسوقت وہ لکھنے میں مصروف تھا۔ جب نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ ایک نہایت ژولیدہ حال فقیر پہلو میں بیٹھا ہے۔ چین بجبیں ہوکر کہا کہ "من انت یا کلب" اسدی نے کہا کہ کلب وہ ہے کہ جو کلب کے لیے تین سو الفاظ نہ جانتا ہو۔ یہ سُنکر وہ حیران ہوگیا اور کہا کہ شاید تو **اسدی** ہے۔

یہ تو لفظوں کی کثرت کا حال ہے۔ اسکے بعد تنوع ترکیب اور اسلوب بیان کو اگر دیکھو کہ کِس کِس انداز اور کس کس کینڈے سے عربی دماغوں نے اُن کو استعمال کیا ہے تو اس سے بھی ایک اور وسیع تر عالم نظر آتا ہے[۱]۔ اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عرب کی زبان آوری کے سامنے دوسری زبانوں کے بلغاء و فصحاء بچوں سے بھی زیادہ کج مج زبان ہیں۔

بعض لوگ یہ کہیں گے کہ ان وجوہات سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان کی تحصیل بہت دشوار ہے۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ حسینوں کی مہر ہمیشہ گراں ہوتی ہے۔ کوڑیاں سمندر کے کنارے مفت ملتی ہیں لیکن موتی بے غوطہ خوری کی محنت برداشت کیے ہوئے حاصل نہیں ہوتے سنگریزے ہر گلی کوچہ میں پڑے رہتے ہیں۔ لیکن جواہرات کے حاصل کرنے کے لیے پہاڑوں کے اوراق اُلٹنے پڑتے ہیں۔

اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہونگا کہ عربی زبان کی تعلیم کا طریقہ ہمارے ملک میں بہت ہی پُر پیچ اور تکلیف دہ ہے۔ وقت بہت صرف ہوتا ہے اور فائدہ کم ملتا ہے۔ بہت سے لوگ عربی مدارس

---

[۱] اس عنوان پر آلوسی زادہ نے نہایت مفصل بحث لکھی ہے۔ اسکی کتاب احوال العرب کی طرف رجوع کرو۔

ہیں پڑھتے پڑھتے اپنی ساری زندگی صرف کر دیتے ہیں لیکن فضولیات میں ایسے اُلجھے رہتے ہیں کہ زبان اُن کو اچھی طرح نہیں آتی ورنہ اُس کی تحصیل اتنی مشکل نہیں ہے۔ تھوڑی سی محنت اور ہمت درکار ہے۔

زبان کی تعلیم کا بہترین طریقہ تلقین صُول ورا ملاہے اور اہل زبان کے ساتھ ہمکلامی[1]۔

مذہبی شرف

عربی کے ماسوا دنیا کی جن جن زبانوں میں آسمانی کتابیں نازل ہوئیں یا اُنکے نازل ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اُن تمام زبانوں کو اللہ تعالیٰ نے مُردہ کر دیا۔ توریت و انجیل جن زبانوں میں نازل ہوئی تھیں وہ اب زندہ نہیں رہیں۔ دساتیر جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ ایران کے بارہ وخشوروں پر بارہ صحیفے نازل ہوئے تھے اسکے سمجھنے والے خود ایران میں نایاب ہیں۔ چاروں وید جو ہندوں کے بیان کے مطابق برہما کے چاروں مکھ سے نکلے ہیں۔ انکی زبان بھی مُردہ ہو گئی۔ اور لاکھوں میں کوئی ایک انکا سمجھنے والا ملتا ہے۔

یہ شرف صرف عربی ہی زبان کو حاصل ہے کہ وہ ایک زندہ مذہبی زبان ہے۔ اور روزافزوں ترقی پر ہے۔ جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ اسوقت عربی بولنے والونکی تعداد چار کروڑ سے زیادہ ہے اور تمام دنیا میں اسکے سمجھنے والے دس کروڑ سے کم نہیں ہیں۔

علاوہ بریں سوائے قرآن عربی کے اور تمام کتابیں صلی حالت میں نہیں ہیں[2] اُن میں تغیر اور تبدل اسقدر ہے کہ اُسکے کسی لفظ کی تصدیق نہیں کیجا سکتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بلکہ بعض آسمانی کتب کی اصل تو بالکل عالم سے ناپید ہے صرف اُنکے ترجمے رہگئے ہیں جو ہرگز کلام الٰہی نہیں کہے جا سکتے۔ پس حقیقی کلام الٰہی تم کو ملیگا تو صرف عربی زبان میں ملیگا جس میں ایک نقطہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں۔ اور جو اپنے نزول کے زمانہ سے آجتک نہ فقر

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا تو اُنھوں نے پندرہ روز میں سیکھی تھی۔

[2] یہ بحث تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھی ہے۔

کے علاوہ حفاظ کے سینوں کے صندوق میں بھی محفوظ ہے۔

خود قرآن شریف کی بدولت عربی زبان کو جو استقلال اور پائداری حاصل ہوئی ہے وہ بھی تاریخ عالم میں بے نظیر ہے۔ یعنی دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں صدی و صدی گزر جانے کے بعد تغیر و تبدل نہ پیدا ہو جائے۔ لیکن برخلاف اسکے عربی زبان کو قرآن شریف نے ایسی آہنی میخوں سے جڑ دیا ہے کہ کتنی صدیاں گزر گئیں پھر بھی اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔ اگرچہ بولنے اور لب و لہجہ میں ممالک اور مقامات کے لحاظ سے اختلاف ہو لیکن کتابی عربی ہر جگہ ایک ہی ہے۔ ہندوستان۔ افغانستان۔ ایران عراق۔ شام۔ یمن۔ حجاز۔ مصر۔ الجزائر اور مراکش اور یورپ وغیرہ ہر مقام کی لکھنے کی عربی زبان ایک ہی ہے۔ اور یہ قرآن عربی کا احسان ہے۔

اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ عربی زبان میں جمود ہے۔ نہیں۔ بلکہ دنیا کی تمام جدید سے جدید معانی اور اشیاء کے لیے اصطلاحات اور نئے نئے محاورے۔ امثال۔ اسالیب اور تراکیب سب اسکے قدیمی قالب میں ڈھلتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ جس سے اُس کی وسعت اور عظمت بڑھتی جاتی ہے اور نوعیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اور چونکہ امت اسلامیہ حقیقی مذہبی اُمت ہے اسلیے ہماری تمام کوششوں کا مرکز قرآن شریف رہا ہے۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اُصول۔ تصوف۔ علم کلام غرض ہمارے تمام علوم کے کُرہ کا محور کتاب اللہ ہے۔ اور ان علوم اسلامیہ میں سے ایک ایک علم میں ہمارے سلف نے جسقدر کتابیں لکھی ہیں اُن کا شمار لاکھوں تک پہنچتا ہے۔ اسوجہ سے عربی زبان میں مذہبی عنصر غالب ہے۔ اور دنیا کی تمام زبانوں میں اسکو بے نظیر مذہبی فوقیت حاصل ہے۔

دیوان حکومت

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدینہ شریف میں دفتر حکومت عربی زبان میں قائم

ہوا۔ لیکن ملک شام کا دفتر رومی میں اور عراق و ایران کا فارسی میں اور مصر کا قبطی زبان میں تھا۔ ان دفتروں میں کام کرنے والے بھی وہیں کے لوگ تھے جس کی وجہ سے حکام کو بعض اوقات مشکلات پیش آتی تھیں۔ بنی امیہ کے زمانہ میں حجاج وزیر مشرق کا ملکی کارپرداز جو ایک عجمی تھا جب اچانک مقتول ہوگیا تو اُس نے ابو صالح ایک عرب کو جو فارسی بھی جانتا تھا اس کے بجائے مقرر کیا۔ اور یہ خواہش بھی کی کہ اگر ہو سکے تو دفتر فارسی زبان سے عربی میں منتقل کرلیا جائے۔ ابو صالح نے کچھ تھوڑا سا ترجمہ کیا۔ یہ حال جب عجمیوں کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے دفتر کو نکلتا ہوا دیکھ کر ابو صالح کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا اور کہا کہ عربی زبان میں کبھی دیوان حکومت رہا نہیں اُس میں کہاں اسقدر گنجایش ہو کہ دفتر کا ترجمہ کیا جائے یہ تو بالکل ناممکن ہو۔ لیکن وہ اپنے ارادہ کا پکا تھا۔ اس خیال سے باز نہ آیا۔ تب مجوسیوں نے اُس کے سامنے اشرفیوں کا ایک ڈھیر لا کر لگایا اور کہا کہ اس ترجمہ کی اُجرت تم کو اس سے زیادہ نہ ملیگی۔ یہ اشرفیاں لیلو اور ترجمہ نہ کرو۔ اُسنے کہا کہ میں نے حجاج سے وعدہ کرلیا ہو کہ ترجمہ کرونگا۔ اُنھوں نے کہا کہ امیر کو یہ سمجھا دو کہ یہ کام ناممکن ہو۔ لیکن اُسنے اسکو منظور نہیں کیا اور صرف چند مہینے میں تمام دفتر عربی میں منتقل کردیا۔ عبد الحمید بن یحییٰ وزیر کہا کرتا تھا کہ "اللہ تعالیٰ ابو صالح کا بھلا کرے اُس نے حکومت اسلامیہ پر بڑا احسان کیا۔"

اسی طرح ۸۱ سنہ ہجری میں ملک شام میں سلیمان بن سعد نے رومی زبان سے عربی میں دفتر کا ترجمہ کرلیا۔ اور جب وہ عبد الملک بن مروان کے سامنے پیش کیا گیا اور اُس کے وزیر مالیہ سرجون رومی نے دیکھا کہ ترجمہ بالکل ٹھیک ہو تو اُس کو بے حد قلق ہوا۔ اور نہایت رنجیدہ اور غمگین وہاں سے باہر نکلا۔ اور رومی عملہ کی جماعت سے پکار کر کہا کہ اب تم لوگ اپنی روزی کے لیے کوئی اور پیشہ

اختیار کرو کہ دفترِ حکومت آج کی تاریخ سے تمہارے ہاتھوں سے جاتا رہا۔

مصر کا دفتر عربی اور قبطی دونوں زبانوں میں رکھا گیا۔ ایک مدت کے بعد رفتہ رفتہ قبطی زبان کے ساتھ قبطی دفتر بھی فنا ہو گیا۔

دواوین حکومت کے عربی میں آجانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کے علاوہ جو علوم اسلامیہ حاصل کرنے کی غرض سے عربی زبان سیکھتے تھے۔ اب عام طور پر لوگ دُنیا کی ضروریات سے بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کی حکومت کا رقبہ اندلس سے لیکر خراسان اور سندھ تک پھیل گیا اور اُن تمام اقوام پر جو اُس کے زیر اثر آئیں عربیت چھا گئی۔

عربی کا خزانہ

عربی زبان گو تمام دُنیا کی زبانوں سے قدیم ترین ہے لیکن اس میں اسلام سے پیشتر کوئی کتاب مدون نہیں ہوئی تھی۔ یہ فخر قدرت نے اسکے حصہ میں رکھا تھا کہ اس میں سب سے پہلے جو کتاب لکھی جائے وہ خود اللہ کی کتاب ہو۔ اور اس لحاظ سے اس کی بسم اللہ نہایت مبارک ہوئی۔

پہلی صدی ہجری میں مسلمان بوجہ مغازی اور محاربات کی مصروفیت کے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ دوسری صدی میں بھی اگرچہ تدوین شروع تو ہو گئی تھی لیکن صرف چند کتابیں لکھی گئیں۔ اس صدی کے خاتمہ کے قریب جب سطح پر اطمینان ہو گیا۔ اور آلات کتابت کی بھی آسانی ہو گئی۔ اور فضل بن یحییٰ برمکی نے کاغذ تیار کرا لیا تو پھر تصنیف و تالیف کی گرم بازاری شروع ہوئی۔

نہ صرف علوم اسلامیہ بلکہ تمام دنیا میں چین سے لیکر روم تک جو کچھ علم تھا سب عربی میں منتقل کر لیا گیا۔ عربی زبان کے وسیع خزانہ سے ہر علم و فن کی علمی

اصطلاحات کے لیے بہتر سے بہتر الفاظ ملے اور بہت قلیل عرصہ میں تمام دُنیا کے علوم وفنون کی عربی زبان مالک ہوگئی۔ اوراس کے بعد پھر دُنیا کو جو کچھ ملا وہ عربی ہی زبان سے ملا۔

دنیا کی کوئی قوم اہل اسلام سے زیادہ علم کی خدمت نہ کرسکی۔ آج جب کہ مطابع کی کثرت سے اور ٹکے ٹکے پر کتابیں ماری پھرتی ہیں دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں جنکی دولت کا عشر عشیر بھی قارون نے خواب میں نہ دیکھا تھا باوجود ہزاروں وسائل اور جدوجہد کے اتنی کتابیں اپنے شاہانہ کتب خانوں میں جمع نہ کرسکیں جتنی کہ مسلمانوں کے صرف ایک خاندان آل عمار نے باوجود سفر کی مشکلات اور مطابع کی عدم موجودگی کے اپنے کتب خانہ میں جمع کی تھیں۔

انھوں نے پانچویں صدی ہجری کے خاتمہ پر طرابلس شام میں تین ملین کتابیں جمع کی تھیں جنکو ۵۰۳ھ میں صلیبی جنگ کے زمانہ میں عیسائیوں نے جلادیا۔ ممکن ہی کہ بعض طبیعتیں اسکو مبالغہ پر محمول کریں۔ اسلیے یہ بتادینا ضروری ہی کہ یہ واقعہ تاریخ کا ایسا روشن واقعہ ہی کہ جرجی زیدان بھی باوجود اسکے کہ مسلمانوں کے مکارم پر خاک ڈالنے میں وہ خاص طور پر مشہور رہی۔ اپنی تاریخ تمدن الاسلام میں اسکے تسلیم کرنے پر مجبور رہوا ہی۔ نیز موسیو کاترمیر فرانسیسی مورخ کو بھی اسکے تسلیم سے گریز نہو سکی۔ البتہ آگ لگانے کا جو الزام عیسائیوں پر لگایا گیا ہی اُسکے تسلیم کرنے کو اُسکا جی نہیں چاہتا۔[1]

مسلمانوں کے علمی شوق اور کتب بینی کا اندازہ اس سے کرو کہ ابن منقذ جو شیزر کا جاگیردار اور صلیبی زمانہ کا ایک مسلمان سپاہی تھا جب اُس کی کشتی فرانسیسیوں نے لوٹی تو وہ لکھتا ہی کہ میرا جو کچھ مال و متاع غارت ہوا اُسکا مجکو مطلق افسوس نہیں ہی۔ افسوس ہے تو اسکا ہی کہ میری پسندیدہ ترین چار ہزار کتابیں اس کشتی میں تھیں جو ضائع ہوگئیں۔

---

[1] موسیو موصوف کی کتاب سنہ ۱۸۶۴ء میں پیرس کے مطبع دیگرک سے شائع ہوئی ہی اُسکا نام ہی (رحلۃ الشرقین)

صاحب ابن عباد وزیر کو جسکا ہم پہلے ایک قصہ لکھ چکے ہیں جب نوح بن منصور سامانی بادشاہ خراسان نے خفیہ لکھا کہ تم دیالمہ کی وزارت چھوڑ کر ہمارے یہاں وزارت پر آجاؤ تو اُسنے بہت سے عذرات لکھے۔ منجملہ اُنکے ایک عذر یہ بھی تھا کہ یہاں سے وہاں کو میرا منتقل ہونا سخت دشوار ہے کیونکہ اور سامان واسباب کے علاوہ صرف اپنی کتابوں کی باربرداری کے لیے مجکو چارسو اونٹ درکار ہونگے[۱]

اگرچہ بغداد اور اندلس کی سلطنتوں کے مٹنے کے بعد ہمارا بہت کچھ علمی سرمایہ برباد ہو گیا۔ لیکن پھر بھی جو قدیمی علوم کا ذخیرہ عربی زبان میں ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہے۔ اور انشاءاللہ عنقریب وہ جدید علوم وفنون سے بھی مالامال ہو کر پھر اہل اسلام کو غیر زبانوں سے بے نیاز کرنے کے قابل ہو جائیگی ۔

جاذبۂ اثر

عربی زبان کی دلکشی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہے کہ اسنے دنیا کے ایک عظیم الشان براعظم افریقہ کے زیادہ حصہ کی زبانوں کو فنا کر کے ان کی جگہ خود اختیار کر لی ہے۔ اگرچہ اس میں مذہب اسلام کی دلکشی کو بھی بہت دخل ہے لیکن خود عربی زبان کی غیر معمولی قوت جاذبہ کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ایران خراسان اور ترکستان وغیرہ میں جو قبول عام اسکو حاصل ہوا اسکا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان ملکوں کے باشندوں کی تمام دماغی پیداوار اسی کو لیں یعنی تمام تر ان ممالک کی علمی تصنیفیں عربی ہی میں لکھی گئیں جس سے بدیہی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عربی میں جو قابلیت علمی خیالات کے اظہار کے لیے ان کو ملی وہ خود اُنھوں نے اپنی مادری زبان میں نہ پائی۔ اور یہی وجہ تھی کہ سلطان محمود جیسے صاحب عزم بادشاہ نے ہر چند

[۱] اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ یاقوت رومی نے اپنی کتاب معجم الادبا میں لکھا ہے۔ امام ابوالحسن بیہقی نے لکھا ہے کہ میں نے اس کتب خانہ کی فہرست دیکھی تھی جو دس جلدوں میں تھی ۔

چاہا کہ دفتر کو فارسی میں منتقل کرلے لیکن نہ کر سکا۔

دوسرا اثر عربی زبان کا یہ ہوا کہ اُس کی آسانی کتابت پر نظر کرکے جو ایک قسم کی مختصر نویسی ہی۔ بہت سی قوموں نے اپنی زبان کو عربی خط میں منتقل کرلیا۔

تورانی زبان جس کی تمام شاخوں میں ترکی سب سے زیادہ اہم ہو وہ عربی حروف میں لکھی جانے لگی۔ فارسی۔ افغانی (پشتو) اور کردی جو ایرین زبان کی شاخیں ہیں اور جنکا خاصہ یہ ہو کہ وہ بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں وہ سب کی سب عربی کتابت کے جامہ میں آگئیں۔ اور ہزارہا الفاظ عربی کے ان میں شامل ہوکر گوشت و ناخن کی طرح پیوست ہوگئے ہیں اسپانی بھی عربی حروف میں لکھی جاتی تھی اور اُسکو الخمیادو[1] کہتے تھے اسی طرح شامیوں نے سریانی کتابیں عربی خط میں لکھیں اور اُسکا نام خط کرشونی رکھا۔

میڈیگاسکر۔ موزنبیق اور ملایا کے باشندے اپنی زبانوں کو عربی ہی خط میں لکھتے ہیں ہمارے ہندوستان کی زبان عام اُردو اور نیز سندھی بھی اسی خط میں لکھی جاتی ہے۔

اردو لفظ ... سطر ہے

خاتمہ

ان سب باتوں سے ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہو کہ عربی زبان دُنیا کی دیگر زبانوں سے ہر لحاظ سے فضیلت اور شرف رکھتی ہو۔ اور بالخصوص مسلمان کے لیے بعد ایمان کے وہ ایک ایسی نعمت ہی کہ دُنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی اسکے مقابلہ میں ہیچ ہو۔

یہ زبان اُس کے لیے اس "مدینۃ العلم" کے دروازے کی کُنجی ہو جس میں اُس کے اسلاف کرام بستے ہیں اور جو اُمت کی تیرہ سو برس کی کوششوں کا سرمایہ ہی۔

---

[1] الخمیادو الاعجمی کی خرابی ہو۔ یورپین زبانوں میں عین کا حرف نہیں ہوتا اور نہ ہمزۂ وسط۔ اسوجہ سے الاعجمی کو اَل جمی کیا۔ کثرت استعمال سے لام ساکن ہوکر الجمی ہوا۔ اور اسپانی زبان میں جیم کو خ بولتے ہیں اسلیے الخمی ہوگیا۔ اس میں دو علامت نسبت کی لگا کر الخمیادو کہنے لگے۔

جب وہ اُس میں جاتا ہے تو ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع صحابہ کرام کے دیکھتا ہے۔ اُن کے ایک ایک کارنامے اُس کی نگاہ کے سامنے آتے ہیں اُن کی ایک ایک آواز اُس کو سنائی دیتی ہے۔ دوسری طرف خلفاء اسلام اور اُن کے سپہ سالاروں کے تمام واقعات اُس کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ ایک طرف علماء امت کے حلقہ درس اور علمی مواعظ میں وہ شریک ہوتا ہے۔ دوسری طرف صلحاء ملّت کی مقدس اور متبرک محفلوں میں پہنچتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُس کی پیاسی روح خود اللہ تعالیٰ کے کلام کے سرچشمۂ آب حیات سے بلا واسطہ سیراب ہوتی ہے۔

الغرض عربی داں مسلم کی روح بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو صحیح مذاق بھی عطا فرمایا ہو مثل اُس بچّہ کے ہے جو ہر وقت اپنے بزرگوں کی آغوش شفقت میں گردش کرتا رہتا ہے اُنھیں کی محبت بھری نگاہوں کے سایہ میں اس کی تربیت ہوتی ہے۔ اور اُنھیں کی مقدس اور پاکیزہ تعلیمات سے اُس کی جان روشن ہوتی ہے۔ وہ اپنے پُرشان سلف کا خلف الصدق اور اُن کے خزانوں کا وارث ہے۔ اور بار امانت کے حقیقی حاملین کے زمرہ میں شامل ہے۔

جن مسلمانوں کو عربی نہ آئی بقول ڈپٹی نذیر احمد مرحوم وہ نام کے مسلمان ہیں۔ اور جن کا مبلغ علم ترجموں تک محدود رہا اُنھوں نے اُوس چاٹی اور سرچشمۂ علم تک نہ پہنچے۔ وہ ایک پیاسی روح لیکر آئے جو پیاسی رہی اور پیاسی گئی۔

اسلم جیراجپوری

۱۲۹۵ ۔ ۳ ۔ ۱۴

شکریہ

یہ مضمون جس کو مینے نہایت دل سوزی سے اس اُمید پر لکھا ہی کہ میرے اہل ملک عربی زبان کی خوبیوں سے واقف ہوکر اور نیز یہ سمجھ کر کہ مسلم کو بلا عربی کے کوئی چارہ نہیں ہی اس مقدس اور ضروری زبان کی طرف توجہ کریں۔

جس وقت مینے اس مضمون کو اپنے مکرم دوست مولانا سیّد عبدالحق صاحب حقی البغدادی الازہری معلم عربی مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو سُنایا تو اس فاضل غیور کی اسلامی اور عربی حمیّت جوش میں آگئی۔ اور فوراً اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ رفاہ عام کی غرض سے اُنھیں کے صرفہ سے یہ مضمون چھپوا کر مفت تقسیم کیا جاوے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

صاحبان اخبارات و رسالہ جات سے اُمید ہی کہ وہ اپنے اپنے اخباروں۔ اور رسالوں کے ذریعہ سے جمہور انام کو مطلع فرمائیں گے۔ کہ یہ رسالہ مفت صرف آدہ آنہ کا ٹکٹ بھیجنے پر علامہ موصوف الصدر کے پتہ سے مل سکتا ہی۔ نیز یہ کہ وہ اگر اس مضمون کو مفید خیال فرمائیں تو اپنے اخبار یا رسالہ کے بیش قیمت صفحات میں بجنسہ یا اس کا اقتباس بنظر افادہ عام شائع فرماویں۔

اسلم

CALL No. ۹۱ﻉﮎ
ﺍﻓ۲۴۱
ACC. NO. ١٢٩٥
AUTHOR ﺳﺒﺰﻭﺍﺭﯼ، ﻣﺤﻤﺪ
TITLE ﻓﻀﺎﺋﻞ ﺯﺑﺎﻥ ﺍﺭﺩﻭ

Date	No.	Date	No.

CHECKED AT THE TIME
DUE

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over-due.